اللہ کی محبت کے ذریعہ سے ہم ساری دنیا پر غالب آسکتے ہیں

حنیف بنیں اور شیطان کی طرف نہ گریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰ / اگست ۱۹۹۰ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ
وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝

(البینہ:۶)

پھر فرمایا:

یہ آیت کریمہ جس کی میں نے تلاوت کی ہے سورۂ بینہ سے لی گئی ہے۔اس ایک آیت میں نہ صرف اسلام کا خلاصہ بیان فرما دیا گیا ہے بلکہ تمام ادیان کا جو خدا کی طرف سے نازل کئے جاتے رہے ہیں خلاصہ بیان فرما دیا گیا ہے اور وَمَآ اُمِرُوْٓا میں تمام اہل کتاب کے دین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے کبھی بھی اہل کتاب کو یعنی جن قوموں کی طرف کتاب نازل فرمائی اس کے سوا اور کوئی دین عطا نہیں کیا کہ لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ کہ وہ اللہ کی عبادت کریں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ دین کو خدا کے لئے خالص کرنے والے ہوں اور حُنَفَآءَ ہوں یعنی ہمیشہ اللہ کی طرف جھکنے والے ہوں وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ اور نمازوں کو قائم کریں اور بنی نوع انسان کے لئے جیسا خدا چاہتا ہے خرچ کریں یا بھلائی کے کاموں

پر خرچ کریں وَ ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ یہ وہ دین ہے جو قائم رہنے والا دین ہے۔ یعنی وہ تمام ادیان کی بنیاد ہے جو ہر زمانے میں، ہر حال میں، ہر قوم میں یکساں قائم رہی اور ہر دین کی عمارت اسی بنیاد پر کھڑی کی گئی۔

اس آیت میں عبادت کا ذکر پہلے کرنے کے بعد پھر نمازوں کے قیام کا ذکر فرمایا گیا ہے جو غور طلب بات ہے۔ اگر عبادت سے مراد نمازیں ہی ہیں تو پھر دوبارہ نمازوں کا ذکر کیوں فرمایا گیا۔ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ انہیں کوئی حکم نہیں دیا گیا مگر یہ کہ وہ خدا کی عبادت کریں۔ اس کے بعد فرمایا وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اور نماز کو قائم کریں۔ پس معلوم ہوا کہ پہلی جگہ جہاں عبادت کا ذکر ہے وہاں وسیع تر مضمون ہے اور دوسری جگہ رسمی عبادت جو مذاہب سکھاتے ہیں وہ مذکور ہے۔ یعنی وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ میں وہ رسمی عبادات بیان کی گئی ہیں جو ہر مذہب نے اپنے ماننے والوں کو سکھلائیں اور ان میں آپس میں اختلاف بھی ہے۔ مختلف شکلوں میں وہ عبادتیں بجالائی جاتی ہیں۔

پہلی آیات کا جو عبادت کا حصہ ہے اس کے ساتھ ایک شرط قائم کردی گئی جو صرف اس عبادت کے ساتھ متعلق نہیں بلکہ بعد میں آنے والے حصص کے ساتھ بھی اس کا تعلق ہے اس کا ترجمہ پھر یوں بنے گا کہ وَمَآ اُمِرُوْٓا انہیں نہیں حکم دیا گیا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مگر یہ کہ خدا کی عبادت کریں مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ دین کو اللہ کے لئے خالص کرتے ہوئے اور اس کی طرف جھکتے ہوئے۔ اس کی تشریح کیا ہے عبادت سے مراد کیا ہے؟ یہ بعد میں بیان فرمایا: وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ کہ اگر وہ خدا کی خاطر عبادت کریں گے اور خدا کی طرف جھکتے ہوئے عبادت کریں گے تو خدا اور بنی نوع انسان کے حقوق میں فرق نہیں کریں گے اور ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کریں گے۔ پس پہلی عبادت میں خدا تعالیٰ سے تعلق کا وسیع تر مفہوم بیان ہوا ہے جس کے نتیجے میں انسان صرف خدا ہی کا نہیں ہوتا بلکہ اس کے بندوں کا بھی ہو جاتا ہے اور قیام نماز پر انحصار نہیں کرتا یا اکتفاء نہیں کرتا بلکہ قیام نماز کے ساتھ بنی نوع انسان کے حقوق کی ادائیگی کی طرف بھی متوجہ رہتا ہے اور ان کا بھی پورا پورا خیال کرتا ہے۔ پس زکوٰۃ جس کو ہم کہتے ہیں یہ صرف وہ رسمی شرح کے ساتھ چندہ ادا کرنے کا نام نہیں بلکہ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ زکوٰۃ جسم کی بھی ہوتی ہے، عقل کی بھی ہوتی ہے، انسان کو خدا نے جو بھی توفیق عطا فرمائی ہے ہر ایک کی زکوٰۃ

نکالنی پڑتی ہے اور یہ جو واقفین نو کی تحریک ہے یہ بھی جماعت کی طرف سے اولاد کی زکوۃ ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ نے جو اولاد جماعت کو وسیع طور پر عطا فرمائی، اس میں سے ایک حصہ خدا کے حضور زکوۃ کے طور پر پیش کر دیا گیا۔ پس زکوۃ کا معنی بھی بہت وسیع ہے اور عبادت کا معنی بھی بہت وسیع ہے لیکن تینوں پر یہ شرط عائد ہوتی ہے کہ لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ کہ خدا کی خاطر اپنے دین کو خالص کرتے ہوئے ایسا کریں۔

پس مخلصین کی شرط عبادت کے عمومی مفہوم پر بھی اطلاق پائے گی يُقِيمُوا الصَّلٰوةَ کے حکم پر بھی اطلاق پائے گی اور زکوۃ کی ادائیگی پر بھی اطلاق پائے گی اور اسی کا نام فرمایا دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ہے۔ اگر خدا کی خاطر دین کو خالص کئے بغیر انسان کسی نوع کی بھی کوئی عبادت بجالائے وہ قبول نہیں ہوگی، خدا کی خاطر دین کو خالص کئے بغیر کسی رنگ میں بھی نمازیں قائم کرے وہ قبول نہیں ہوں گی اور خدا کی خاطر دین کو خالص کئے بغیر اگر کسی طرح کی بھی انسان زکوۃ نکالے تو وہ رد کر دی جائے گی۔ یہ بنیادی مفہوم ہے جس کے متعلق فرمایا گیا کہ یہ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ہے یہ ایک ایسا خداوند کی طرف سے جاری ہونے والا مذہبی قانون ہے جس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔ ہمیشہ ہر مذہب کی بنیاد اسی اصل پر قائم کی جاتی رہی اور اسی اصل پر قائم رہے گی۔

اب لفظ حُنَفَآءَ کا کچھ مزید تعارف ہونا چاہئے کہ اس سے کیا مراد ہے جب مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فرما دیا گیا تو اس کا مطلب ہے اپنے دین کو خدا کے لئے خالص کر دیا حُنَفَآءَ سے کیا مراد ہے "حنیف" حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا لقب ہے اور جیسا کہ اس سے پہلے میں بعض دفعہ خطبات میں بھی اور قرآن کریم کے درس میں بھی بیان کر چکا ہوں کہ حنیف کا لفظی ترجمہ ہے ٹیڑھا اور ایک طرف جھکا ہوا۔ چنانچہ لنگڑے کو بھی حنیف کہا جاتا ہے جس کا ایک پاؤں مڑا ہوا ہو جس کو پنجابی میں "ڈُڈا" کہتے ہیں۔ اس کو بھی عربی زبان میں حنیف کہا جاتا ہے۔ پس یہاں "حنیف" سے کیا مراد ہے؟ مراد یہ ہے کہ ایک طرف جھکا ہوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ایسا جھکاؤ کہ جب بھی یہ فیصلہ درپیش ہو کہ گرنا ہے تو کس طرف گرنا ہے تو ہمیشہ خدا کی طرف گرے۔ اب پل صراط کا جو نقشہ آپ کے ذہن میں آتا ہے عرف عام میں پل صراط کے متعلق بڑی بڑی کہانیاں بنی ہوئی ہیں۔ اس کے نتیجے میں عرف عام میں ایک پل صراط کا نقشہ ذہن میں آتا ہے کہ ایک بہت ہی

باریک راستہ ہے اوراس میں خطرہ ہے کہ انسان کسی طرف گر جائے۔اصل نقشہ مکمل تب ہو کہ اگر پل صراط کے ایک طرف جہنم ہواور ایک طرف جنت ہواور آدمی کے لئے ہمیشہ یہ خطرہ رہتا ہے کہ کہیں لڑکھڑائے اور کسی سمت میں گر جائے۔ یہ حنیف کا لفظ یہ نقشہ پیش کرتا ہے کہ جب بھی ایسے فیصلے درپیش ہوں کہ انسان نے دنیا کو اختیار کرنا ہے یا دین کو اختیار کرنا ہے یا کبھی انسان لغزش بھی کھا جائے توجب بھی گرے خدا کی طرف گرے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی بنا پر بیعت میں یہ شرط رکھی کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ جب بھی میرے سامنے دو فیصلے آئیں گے ایک دنیا اور ایک دین کا اوران کا مقابلہ ہوگا تو میں ہمیشہ بالا رادہ دین کو دنیا پر ترجیح دوں گا۔لیکن حنیف میں ارادے کا دخل نہیں ہے۔ حُنَفَآءَ جو حنیف کی جمع ہے اس میں مزاج اور فطرت کا بیان ہے۔ایک ایسا شخص جس کی فطرت نیک ہواور پاکیزہ ہواس کا جھکاؤ ہمیشہ خدا کی طرف اور بھلائی کی طرف رہنے والا ہو۔پس اس کی ٹھوکر بھی اس کو نجات دینے کا موجب بنے اوراس کا بالارادہ فیصلہ بھی نجات ہی کا موجب بنے۔اس سے غلطیاں بھی ہوں تو صحیح سمت میں ہوں اوراس طرح اس کو ایک محفوظ زندگی یا معصوم زندگی خدا کی طرف سے عطا کی جاتی ہے جس کا ماڈل حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیش کیا گیا اوران کا نام ہی حنیف رکھ دیا گیا۔

لفظ حنیف کے ساتھ ہی عربی کا ایک اور لفظ بھی ہے جس میں صرف ایک نقطے کا اضافہ ہے یعنی جنیف ''ح'' کے نیچے نقطہ ڈال دیں تو وہ ''ج'' بن جاتی ہے اوراگر ''حنف'' کے ''ح'' میں نقطہ ہو تو ''جنف'' بن جائے گا۔اب یہ عربی زبان کا کمال کہنا چاہئے یا یہ کہنا چاہئے کہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ فرمایا کہ یہ الہامی زبان ہے۔ یہ انسان کی بنائی ہوئی زبان نہیں ہے۔اسے تسلیم کریں تو یہ چھوٹی سی مثال اس ایمان کو،اس یقین کو اور تقویت دیتی ہے۔ایک ایسی چیز جو دوسمتوں کے درمیان متوازن ہوگئی ہو اگر ایک نقطے کا بھی اس میں اضافہ ہو تو وہ ایک دوسری طرف گر پڑے گی۔ پس حنف کا مطلب ہے ہر دفعہ خدا کی طرف گرنے والا اوراگر اس پر دنیا کے ایک نقطے کا بوجھ بھی زائد آجائے تو وہ دنیا کی طرف گر پڑے گا اور یہ حقیقی پل صراط ہے جس میں ہمیں بہت احتیاط سے قدم اٹھانا ہوگا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کشتی نوح میں اپنی تعلیم پیش کی ہے یعنی قرآن پر اور سنت پر مبنی تعلیم اس کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ''ہماری تعلیم'' کے نام سے ایک

الگ رسالے کی صورت میں بھی شائع کیا۔اس میں جہاں ایسے مقامات آتے ہیں کہ اگر تم میں دنیا کی ایک ذرہ بھر بھی ملونی ہوئی تو تم قبول نہیں کئے جاؤ گے اور قریب ہے کہ تم ہلاک ہو جاؤ۔اس کو پڑھ کر بعض احمدی ایسے خوفزدہ ہوتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ بعضوں نے مجھے کہا کہ ہم سے تو یہ کتاب پڑھی نہیں جاتی کیونکہ اس کا ایک ایک فقرہ ہمیں متہم کرتا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا دین سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ جتنا اعلیٰ معیار پیش فرمایا گیا ہے اور جتنی اعلیٰ توقعات جماعت سے وابستہ فرمائی گئی ہیں ان کے پیش نظر تو یہ نظر ہی نہیں آتا کہ کوئی احمدی دنیا میں موجود ہو لیکن وہ اس عارفانہ نکتہ کو نہیں سمجھتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کی سب سے اعلیٰ تعریف فرمائی ہے اور یہ تعریف آپ پر صادق آتی تھی۔ تو ہر جگہ جب فرماتے ہیں کہ اس کا مجھ سے تعلق نہیں تو مراد یہ ہے کہ وہ اس مقام کو نہیں حاصل کر سکا جس مقام کو دینے کے لئے میں آیا ہوں اور یہ وہ مقام ہے جو میں نے محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت میں پایا اور اس میں ایک نقطہ بھی دنیا کی ملونی کا شامل نہیں ہے۔ یہ وہی ''ح'' پر زائد ہونے والا نقطہ ہے جو ایک ظاہری تمثیل بن گیا ہے اور روحانی معنوں میں یہ وہ نقطہ کہلائے گا جو ایک متوازن شخصیت کو ایک طرف گرا دے اور یہ دنیا کا نقطہ ہے۔ یہ جب داخل ہو جائے تو فیصلوں میں ہمیشہ انسان دنیا کی طرف مائل ہونے لگتا ہے اب یہ محض ایک فلسفیانہ بات نہیں ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں اگر آپ غور کی نظر سے اپنے فیصلوں کو دیکھیں تو ہمیشہ یہی ہوتا ہے بعض لوگ جب دوراہوں پر کھڑے ہوتے ہیں تو بڑا مشکل وقت ہوتا ہے صحیح فیصلہ کرنے کا اور وہ ان دوراہوں پر بسا اوقات دنیا کی طرف جھکنے والے فیصلے کرتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو جب دوراہوں پر کھڑے ہوتے ہیں تو خواہ کیسا ہی کڑوا فیصلہ ہو وہ ہمیشہ دین کی طرف مائل ہونے والا فیصلہ کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق قرآن گواہی دیتا ہے کہ وہ نجات یافتہ ہیں کیونکہ وہ دِيۡنُ الۡقَيِّمَةِ پر قائم ہیں پس دِيۡنُ الۡقَيِّمَةِ کی تعریف میں حنیف کا داخل ہونا ضروری تھا ورنہ کیا پتہ کہ کسی کا دین خالص ہے کہ نہیں ہے۔

پس مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۙ حُنَفَآءَ کا تعلق نیت سے ہے اور انسان کے اندرونی رجحان سے ہے وہ اگر سچا اور خالص ہوگا تو اس کے نتیجے میں لازماً وہ شخص حنیف بنے گا۔ یعنی عملی دنیا میں وہ ہمیشہ خدا کی طرف گرنے والا اور خدا کی طرف جھکنے والا بن جائے گا ورنہ اس کا یہ دعویٰ کہ میں

دین خدا کے لئے خالص کر چکا ہوں یہ دعویٰ درست نہیں ہے۔

پس ایک پہلو سے مخلصین کہہ کر اندرونی کیفیت کو بیان فرمادیا گیا دوسرے پہلو سے اس اندرونی کیفیت کی پہچان کی کسوٹی ہمیں عطا کر دی گئی کہ ہزاروں دعویدار ہوں گے جو کہیں گے ہم دین کو اللہ کے لئے مخلص کرنے والے ہیں۔تم ان کو پہچان سکتے ہو یہ کہنے کی ضرورت بھی نہیں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ تم سچ بول رہے ہو روزمرہ کی زندگی میں ان کے اعمال خود بتاتے چلے جائیں گے کہ وہ اپنے اس دعویٰ میں سچے ہیں یا جھوٹے ہیں کیونکہ حُنَفَآءَ ہونے کا فیصلہ ایک ایسا فیصلہ ہوگا جو دکھائی دینے والا ہوگا۔ جہاں بھی دوراہے آئیں گے جھوٹ اور سچ کے درمیان تمیز کرنی ہوگی۔ جھوٹ کی پناہ لینی ہے کہ سچ کی پناہ لینی ہے۔ایسے موقعوں کے اوپر ان کا فیصلہ خود بتادے گا کہ وہ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ تھے یا نہیں تھے۔

پس جماعت احمدیہ کو اس باریک نظر سے اپنی نیتوں کا حساب اپنے آپ سے لیتے رہنا چاہئے اور روزمرہ کی زندگی میں یہ عادت ڈالنی چاہئے کہ وہ جب بھی فیصلے کرتے ہیں وہ ''حنیف'' کے فیصلے کرتے ہیں یا ''جنیف'' کے فیصلے کرتے ہیں۔ان کی کون سی شخصیت ابھرتی ہے۔ اگر ان کے فیصلوں میں جنف کا عنصر غالب ہے تو پھر دنیا کی ملونی غالب ہوگئی اور اگر حنف کا عنصر غالب ہے تو دین کی ملونی غالب ہوگئی اور اس کے بعد پھر جہاں غلبہ ہو وہاں خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ غلبے والے حصے کو بڑھاتا چلا جاتا ہے اور کم تر حصے کو دور کرتا چلا جاتا ہے۔

اس لئے یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ ہرگز مراد یہ نہیں کہ ہر انسان جب وہ حنیف بنتا ہے تو اچانک مکمل حنیف بن جاتا ہے اور دنیا کی ملونی کا نشان تک باقی نہیں رہتا۔ یہ سلوک کا ایک رستہ ہے جس پر چلتے ہوئے رفتہ رفتہ اگلی منازل تک انسان کی رسائی ہوتی ہے لیکن آغاز ہی سے یہ فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے کہ اس کا انجام کہاں ہوگا۔ اگر اس کے روزمرہ کے فیصلوں میں حنف کا عنصر غالب ہو، یعنی خدا کی طرف جھکنے کا عنصر غالب ہو، پھر بعض فیصلوں میں ٹھوکر بھی کھا چکا ہو اور بعض باتوں میں اس نے دنیا کو بھی ترجیح دی ہو تو جہاں تک میرا قرآن کریم کا مطالعہ ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس کے لئے بچنے کے امکانات زیادہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اس کی مغفرت اس کی ہر دوسری صفت پر غالب ہے اس لئے وہ شخص جو بالعموم خدا کی طرف جھکنے والا ہو، اللہ تعالیٰ رفتہ رفتہ اس کی نیکی کے دائرے

کو بڑھانا شروع کر دیتا ہے اور اس کی بدی کے دائرے کو کم کرنا شروع کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ نقطہ جو ’’جیم‘‘ کا جنف کا نقطہ ہے وہ کلیۃً مٹ جاتا ہے اور اس کا انجام پھر حنف پر ہوتا ہے تبھی قرآن کریم نے ہمیں یہ دعا اصرار سے سکھائی وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ اے خدا! ہمیں ایسی حالت میں وفات دینا کہ ہم تیرے نزدیک ابرار میں شمار ہو چکے ہوں۔ اسی لئے انجام بخیر کی دعا کی طرف اولیاء نے بہت توجہ کی ہے اور بارہا انجام بخیر کی دعا مانگا بھی کرتے تھے اور دوسروں سے اس کی درخواست بھی کیا کرتے تھے۔

مجھے یاد ہے قادیان میں بچپن میں جب صحابہؓ کی اکثریت وہاں پھرا کرتی تھی تو اس زمانے میں اکثر صحابہؓ جو دعا کی درخواست کیا کرتے تھے وہ انجام بخیر کی دعا کی درخواست کیا کرتے تھے اور سب سے پہلے یہ بات میں نے ان ہی سے سیکھی۔ اس وقت سمجھ نہیں آیا کرتی تھی کہ یہ بزرگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پانے والے، دین کی صف اول کے لوگ یہ ہم بچوں سے یہ کیوں درخواست کرتے ہیں کہ دعا کرو کہ ہمارا انجام بخیر ہو۔ بعد میں جب قرآن کریم کے مطالعہ سے زیادہ سمجھ آئی تو اس وقت پتا چلا کہ انجام بخیر سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ ہلاک ہونے والوں میں نہ ہم مریں بلکہ جس رستے پر خدا ڈالتا ہے اس کے اختتام تک پہنچیں۔ اپنی نیکی کا انتہائی عروج حاصل کریں۔ ہر شخص کی انتہاء الگ الگ ہے۔ ہر شخص کو خدا تعالیٰ نے نیکی کا ایک دائرہ بخشا ہے۔ اس دائرے تک اس کی نیکی پھیل سکتی ہے۔ وہ اس کی حدود ہیں یا آسمان کی رفعتوں میں اس کا ایک نقطہ ہے جس تک وہ پہنچ سکتا ہے۔ وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ یا نیک انجام کی دعا کا یہ مطلب ہوگا کہ اے خدا! ہمیں اس نقطہ عروج تک پہنچا دے جو ہماری ذات کے تعلق میں ہمیں ابرار میں داخل کر دے یعنی برّ ہی برّ رہے اور بدی کا کوئی پہلو باقی نہ رہے۔

حضرت مصلح موعودؓ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو پیشگوئی تھی اس میں یہ تھا کہ جب وہ اپنے کام مکمل کر لے گا تب وہ اس نقطہ آسمان کی طرف رفع کرے گا جو اس کے لئے مقدر ہے۔ پس ابرار میں مرنے یا نیک انجام پانے سے مراد یہی ہے کہ اے اللہ! ہمیں اس وقت تک زندہ رکھ اور رفتہ رفتہ اس مقام کی طرف ہماری راہنمائی فرماتا چلا جا جس مقام میں جا کر دنیا کا کوئی نقطہ باقی نہیں رہتا اور خالصۃً ہم تیرے ہو جاتے ہیں۔

پس جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اگر تم میں دنیا کی کوئی ملونی ہوئی تو تم ہلاک ہو جاؤ گے، اس کا ایک اور حل یہ بھی ہے کہ ایسے عاجز بندے جو دنیا کی ملونی رکھتے ہوئے نیکی کی طرف میلان رکھتے ہیں اور فکر رکھتے ہیں اور ہمیشہ اپنے گناہوں پر غموں میں گھلتے رہتے ہیں اور یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے خدا! ہمیں ابرار میں مارنا۔ خدا تعالیٰ رفتہ رفتہ ان کو مارتے وقت اس مقام تک پہنچا چکا ہوتا ہے کہ دنیا کا کوئی نقطہ ان میں باقی نہیں رہتا۔ ایک یہ معنی ہیں مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ کے۔ دوسرے اس کے معنی عشق کے ہیں اور محبت کے ہیں مُخْلِصِيْنَ کسی کے لئے مخلص ہونے سے مراد ہے اس سے محبت کرنا اور محبت کی پہچان یہ ہے کہ غیر محبوب کے مقابل پر ہمیشہ انسان محبوب کو ترجیح دیتا ہے اس کے لئے ممکن ہی نہیں ہے کہ جس چیز سے محبت ہے اس کے مقابل پر اس کو ترجیح دے دے جس سے نفرت ہے۔

یہ ایک قانون فطرت ہے جس میں کسی انسان کا دخل نہیں، چارہ کوئی نہیں۔ جیسے کشش ثقل ہر چیز کو اپنے دائرے میں اپنی طرف کھینچتی ہے اور اس کے خلاف کوئی طاقت کام نہیں کرسکتی۔ اسی طرح وہ چیزیں جو بظاہر زمین سے دور ہو رہی ہوتی ہیں اپنے مکینیکل ذریعوں سے، کشش ثقل ان کو بھی کھینچ رہی ہوتی ہے، جب میں کہتا ہوں کہ دنیا کی کوئی طاقت اس قانون سے باہر نہیں رہ سکتی تو یہ بالکل درست بات ہے۔ ہر چیز جو زمین سے دور ہو رہی ہے کسی اور ذریعے سے، اس پر بھی کشش ثقل مسلسل اثر انداز ہو رہی ہوتی ہے اور اس کو اپنی طرف کھینچ رہی ہوتی ہے۔ یہ وہ قوانین ہیں جو غیر مبدل ہوا کرتے ہیں، ان کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا۔ تو محبت کا قانون یہ ہے کہ جب بھی دو فیصلے ہوں، انسان قدرتاً طبعاً محبت کی طرف جھکتا ہے اور نفرت کو کبھی محبت پر ترجیح نہیں دیتا۔ مخلصین سے مراد ہے: محبت کرنے والے اور حُنَفَآءَ میں ان کی محبت کی پہچان بتادی۔ وہ لوگ جو سمجھتے ہیں کہ ہم خدا سے محبت کرتے ہیں ان کے اعمال تبھی قبول ہوں گے اگر وہ محبت کے ساتھ عبادت بجالانے والے ہوں، اگر وہ خدا کی محبت کے ساتھ نمازیں پڑھنے والے ہوں، اگر وہ خدا کی محبت کے ساتھ زکوٰۃ دینے والے ہوں۔ پہچان کیا ہے؟ ایسے لوگ حنیف ہوا کرتے ہیں، جب بھی خدا کے مقابل پر غیر اللہ کی بات ہو تو وہ خدا کی طرف جھکتے ہیں۔

چنانچہ قرآن کریم نے جھوٹ سے بچنے کی ایک نصیحت کے وقت بھی یہی نصیحت فرمائی کہ

وَ اجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ ﴿۳۱﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰہِ غَیۡرَ مُشۡرِکِیۡنَ (الحج: ۳۲-۳۱) کہ قول زور سے بچو حُنَفَآءَ لِلّٰہِ اس کا کیا مطلب ہے کہ جھوٹ سے بچو اللہ کے لئے حنیف ہوتے ہوئے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا گیا کہ شرک نہیں کرنا۔ مراد یہ ہے کہ جھوٹ کے وقت انسان غیر اللہ کی پناہ میں آتا ہے اور جھوٹ کو اختیار کرنا ہی یہ بتا رہا ہے کہ اللہ کی طرف جھکاؤ نہیں ہے دنیا کی طرف جھکاؤ ہے۔ اس لئے جھوٹ ثابت کرتا ہے کہ انسان حنیف نہیں رہا۔ ایک اس کا یہ مطلب ہے۔ دوسرا یہ مطلب یہ ہے کہ جھوٹ تم اس لئے اختیار کرتے ہو کہ تمہارا توکل غیر اللہ پر ہے۔ اگر تم جھوٹ سے بچو اور یہ سوچ کر بچو کہ اب تو میں نے غیر سے توکل ہٹا دیا ہے، اب میرا توکل اللہ پر ہو گیا ہے۔ میں اللہ کی طرف گر گیا ہوں تو پھر شرک نہیں کرنا پھر یاد رکھنا کہ خدا ایسے گرنے والوں کو سنبھال لیا کرتا ہے۔ تو یہ وہی مضمون ہے کہ حنیف اس شخص کو کہتے ہیں جہاں فیصلوں میں یہ خطرہ بھی ہو کہ دوسری طرف میری ہلاکت ہے۔ اس ہلاکت کو دیکھتے ہوئے یعنی ایسے مقام پر سچ بولنا جہاں پتا ہو کہ اس کی سزا یقینی ہوگی پھر بھی گرتا ہے **تو خدا کی طرف گرتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی صورت میں اگر تم جھوٹ سے اس لئے پرہیز کرنے والے ہو کہ تم حنیف ہو چکے ہو تم مجبور ہو بے اختیار ہو۔ میرے سوا تمہارا کوئی در ہی نہیں رہا۔ تو پھر یاد رکھو کہ اگر تم مشرک نہیں ہو تو میں بھی موحدین کو چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ میں تمہاری ضرور حفاظت کروں گا۔ تمہیں اپنی پناہ میں لے لوں گا۔ تمہیں اپنی گود میں اٹھا لوں گا۔**

پس یہ وہ مضمون ہے مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ۬ۙ حُنَفَآءَ کا جس میں جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا محبت کا پہلو بھی بہت نمایاں ہے۔ اخلاص اور محبت دراصل ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور اس کی پہچان یہی ہوا کرتی ہے کہ دو فیصلوں میں ہمیشہ جس شخص سے محبت ہے اس کے حق میں فیصلہ ہوا کرتا ہے جس سے محبت نہ ہو یعنی اس میں انصاف کی بات نہیں ہو رہی۔ میں کسی اور کے حق میں انصاف کی بات نہیں کر رہا۔ اپنے رجحانات کی بات کر رہا ہوں۔ ایک انسان نے دو چیزوں میں سے ایک اختیار کرنی ہے وہاں انصاف کا فیصلہ نہیں ہے۔ اس اختیار کے وقت ہر شخص لازماً بے اختیار ہو کر محبت والا فیصلہ کرے گا اور جس سے کم محبت ہے اس کی طرف نہیں جھکے گا، پس بغیر محبت کے کوئی عبادت نہیں یہ نتیجہ نکلا۔ بغیر محبت کے نہ کوئی نماز ہے نہ کوئی زکوۃ ہے اور اس مضمون کو مزید تقویت ملتی ہے قرآن کریم کی ایک اور آیت سے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:۳۲) کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! (نام تو نہیں لیا گیا مگر مخاطب آپؐ ہیں) تو ان سے کہہ دے جو تیری پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں کہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اس کے دو معنی ہیں۔ یعنی ایک ہی معنی میں اگر پہلے حصے پر زور دیا جائے تو اور معنی نکل آئیں گے دوسرے حصے پر زور دیا جائے دوسرے معنی ابھر آئیں گے۔ عام طور پر دوسرے حصے پر زور دیا جاتا ہے اور یہ مطلب ہے جو اپنی ذات میں درست ہے کہ اے محمد ﷺ! یہ اعلان کر کہ اگر تم خدا کی محبت کے اپنے دعوے میں سچے ہو تو میری پیروی کر کے دکھاؤ کیونکہ میں محبت کے دعوے میں سچا ہوں اور اس محبت کے نتیجے میں جو تقاضے پیدا ہوتے ہیں وہ میں پورے کر رہا ہوں اس لئے میری پیروی کرو تو تمہاری محبت کا دعوی سچا نکلے گا۔ اگر پہلے حصے پر زور دیا جائے تو ایک اور معنی نکلتا ہے جو مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ کے معنے کو اور واضح کر دیتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر تم نے میری پیروی کرنی ہے تو محبت کے بغیر نہیں کر سکو گے اگر خدا سے محبت نہیں ہے تو نہیں کر سکو گے۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ یعنی تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ کے پہلے حصے پر زور ہوگا مراد یہ ہوگی کہ میری پیروی کرنے کی خواہش رکھنے والو یاد رکھو۔ اگر تمہیں خدا سے محبت ہے تو پیروی کر سکو گے۔ اگر خدا سے محبت نہیں ہے تو نہیں کر سکو گے۔ پس حُنَفَآءَ لِلّٰهِ کا مضمون اور کھل کر واضح ہو گیا کہ اگر خدا سے محبت ہے تو پھر عبادتیں، نیکیاں، زکوۃ خدمتیں سب قبول ہوں گی۔ اگر نہیں ہے تو پھر یہ ساری ظاہری چیزیں ہیں اور بے معنی اور بے حقیقت ہو جاتی ہیں۔

اس مضمون کو سمجھنے کے بعد یہ پتا چلتا ہے کہ کیوں دنیا میں بڑے بڑے عبادت گزار اور جُبّہ پوش اور دستار بند لوگ ایسے ہیں جن کے متعلق انسان اپنی فطرت سے محسوس کرتا ہے کہ یہ تقویٰ سے خالی لوگ ہیں، بے معنی اور بے حقیقت لوگ ہیں۔ ان کے اندر کشش کی بجائے نفرت پیدا ہوتی ہے اور اپنی طرف جذب کرنے کی بجائے وہ دھکہ دینے والے لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں رعونت دکھائی دے گی۔ ان میں دنیا کے لحاظ سے بہت بڑائی اور رعب بھی دکھائی دے گا۔ مگر پیار سے خالی لوگ ہوتے ہیں کیونکہ جن کی عبادتیں اللہ کے پیار سے خالی ہوں ان کے تعلقات دنیا کے پیار سے بھی خالی ہو جایا کرتے ہیں، یعنی وہ خود دنیا کی طرف جھکتے ہیں مگر دنیا والوں کے لئے ان کے دلوں

میں سچا پیار نہیں ہوتا۔ پس دنیا سے پیار ہونا اور چیز ہے اور اہل دنیا سے پیار ہونا اور چیز ہے۔

اہل دنیا سے پیار صرف اسی وقت نصیب ہوتا ہے جب خدا تعالیٰ سے پیار ہو۔ پس یہاں بھی وہی مضمون ہے کہ زکوٰۃ بھی تب قبول ہوگی اگر اللہ سے پیار ہوگا اور زکوٰۃ کا سلیقہ بھی تب آئے گا اگر خدا تعالیٰ سے پیار ہوگا۔ پس تمام جماعت کو اب اس پہلو پر زور دینا چاہئے اور اپنی عبادتوں کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ کیا پتا ہم ساری عمر عبادتیں کرتے رہے ہوں اور ساری عمر چندے بھی دیئے رہے ہوں لیکن خدا کی محبت غالب نہ ہو تو یہ ساری چیزیں ضائع ہو رہی ہوں اس لئے جب سودے کرنے ہیں تو سودوں کی قیمت وصول کرنی ہے۔ ایسی زندگی کا کیا فائدہ کہ انسان قربانی بھی کر رہا ہو اور قربانی کا حاصل بھی کچھ نہ ہو۔ ایک ایسی جگہ کاشت کر رہا ہو جو زمین پیداوار کی اہلیت نہیں رکھتی۔ میں نے دیکھا ہے بعض بیچارے زمیندار لوگ ساری عمر ایسی زمین پر ٹکریں مارتے رہتے ہیں جہاں سے نکلتا کچھ نہیں۔ وہ قرضوں میں دبے رہتے ہیں۔ بچے ان کے نوکریاں کر کے ان کو پال رہے ہوتے ہیں لیکن وہ زمین کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ تو وہی کاشت وہی محنت اچھی ہے جس سے نتیجے میں پھل حاصل ہو۔

پس اگر عبادتیں کرنی ہیں تو پھلدار عبادتیں کریں، اگر چندے دینے ہیں تو پھل دار چندے دیں، اگر عوام الناس کی خدمت کرنی ہے تو ایسی خدمت کریں جس کے نتیجے میں آپ کو کچھ حاصل ہو اور اس میں دونوں طرف محبت کی شرط رکھ دی گئی ہے۔ اگر محبت سے عبادتیں کرو گے، اگر محبت سے نمازیں قائم کرو گے، اگر محبت سے صدقات دو گے تو یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہو گی۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی سچی پیروی کے نتیجے میں فرمایا: يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ تمہارا پھل یہ ہے کہ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اب اگر اللہ محبت کرنے لگے تو یہ بات لکی چھپی نہیں رہ سکتی۔ یہ ایسی بات نہیں ہے جس کے لئے کہنے والے کو ڈھنڈورے پیٹنے پڑیں۔ اس کے نتیجے میں علامتیں ظاہر ہوا کرتی ہیں۔ اہل اللہ کی اپنی علامتیں ہیں اور وہ غیر اللہ کے سوا جو کسی اور کے بندے بنتے ہیں ان سے وہ علامتیں اہل اللہ کو ممتاز کر دیا کرتی ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کو بڑی تفصیل کے ساتھ اپنے گہرے اور لمبے تجربے کی روشنی میں بیان فرمایا ہے۔ اس لئے یہ ساری باتیں اپنی جگہ درست لیکن جب تک آخری نتیجہ نہ نکلے، کوئی

شخص نہ مطمئن ہوسکتا ہے نہ اسے مطمئن ہونے کا کوئی حق حاصل ہے جب تک وہ خدا سے اس کے پیار کی علامتیں نہ حاصل کرلے اور یہ علامتیں وہ خود بیان کر کے اپنے ڈھنڈورے نہیں پیٹا کرتا لیکن دن بدن اس کے دل میں خدا تعالیٰ کی طرف سے پیار کے جلوے نازل ہوتے ہیں اور اس کی کیفیت بدلنے لگتی ہے۔ پھر لوگ اس کو دیکھتے ہیں پھر خدا اس کو بعض دفعہ ظاہر کرتا ہے اور بعض دفعہ نہیں کرتا اور دونوں صورتوں میں خدا کے ایسے بندے جو حُنَفَآءَ لِلّٰهِ ہوں وہ کلیۃً مطمئن رہتے ہیں بلکہ بعض دفعہ نہ ظاہر کرنے کی صورت میں زیادہ مطمئن ہوتے ہیں اور مزے کررہے ہوتے ہیں اپنی ذات میں، ظاہر ہوتے ہیں تو خدا کی خاطر ہوتے ہیں اور دنیا کو خدا کی طرف بلانے کے لئے ظاہر ہوتے ہیں۔

پس آنحضرت ﷺ جب ظاہر نہیں تھے اس وقت بھی وہ خدا کے تھے اور خدا سے اسی طرح راضی تھے جب ظاہر ہوئے تو وہ جو اندرونی سکون تھا اور اطمینان نصیب تھا اس کی قربانی دے کر ظاہر ہوئے ہیں اور بہت بھاری قیمت دینی پڑی مگر چونکہ خدا کی خاطر ہوا اس لئے پھر بھی مطمئن رہے۔ جو ریا کار لوگ ہیں ان کا الٹ حساب ہوتا ہے۔ وہ جب تک ظاہر نہ ہوں یعنی اپنے آپ کو ظاہر نہ کریں اس وقت تک وہ بے چین رہتے ہیں۔ اس وقت تک ان کی زندگی عذاب میں مبتلا رہتی ہے۔ جب وہ اپنے آپ کو ظاہر کردیں تو پھر ان کے بوجھ ہلکے ہوجاتے ہیں۔

پس اہل اللہ کا مخفی ہونا اور حیثیت رکھتا ہے اور دنیا داروں کا مخفی رہنا اور حیثیت رکھتا ہے اہل اللہ کا ظاہر ہونا اور حیثیت رکھتا ہے اور دنیا داروں کا ظاہر ہونا بالکل اور حیثیت رکھتا ہے۔ خدا کے بندے جب ظاہر ہوتے ہیں تو تکلیف کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کا مطالعہ کریں اور آپ اشعار کا مطالعہ کریں تو یہی مضمون ملتا ہے فرماتے ہیں۔ مجھے تو دنیا میں نکلنے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ بڑے اطمینان سے میں تیری محبت کے سائے تلے تیری محبت میں ڈوبا ہوا زندگی بسر کررہا تھا۔ تو نے مجھے نکالا ہے تو مَیں نکلا ہوں اور تیری خاطر نکلا ہوں پس اگر تیری نیت خالص ہو یعنی مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ کے درجے سے انسان تعلق رکھتا ہو تو اس کے بعد اس کی ہر ہجرت خدا کی طرف ہوتی ہے۔ وہ مخفی رہ کر بھی خدا کے ساتھ زندگی بسر کررہا ہوتا ہے۔ وہ ظاہر ہو کر بھی خدا کی طرف حرکت کررہا ہوتا ہے اور اس پہلو سے اس کے اخلاص کے اوپر خدا اس کے اخفاء کی حالت میں بھی گواہ رہتا ہے اور اس کی اعلانیہ حالت میں بھی گواہ رہتا ہے۔ شرط

یہی ہے کہ خدا سے محبت کا تعلق ہو اور پیار کا تعلق ہو اور یہ محبت ہر دوسرے رشتے پر غالب ہو۔

جتنے لوگ دنیا میں ٹھوکر کھاتے ہیں وہ اس مقام پر جا کر ٹھوکر کھاتے ہیں جہاں خدا کی محبت سے دنیا کی محبت یا اولاد کی محبت یا اپنی عزت کی محبت آگے اونچا سر نکالے ہوئے کھڑی ہوتی ہے۔ جب تک ان کا امتحان اس مقام تک نہیں پہنچتا وہ مخفی رہتے ہیں۔ یعنی ان کا نفاق مخفی رہتا ہے۔ ان کی نیکی مخفی نہیں رہی ان کی نیکی ظاہر رہتی ہے اور ان کا نفاق مخفی رہتا ہے۔ جب ابتلاء اتنا سر اُٹھالے بلند ہو جائے کہ وہاں جا کر خدا کی محبت کوتاہ رہ جائے اور اس کا قد چھوٹا رہے اور ان کی اولاد کی محبت اور مال کی محبت اور عزت نفس کی محبت اونچی نکلی ہوئی ہو تو وہ ابتلاء پھر ان کو خدا سے الگ کر دیتا ہے۔ اس وقت وہ ننگے ہوتے ہیں۔ اس وقت وہ ظاہر ہوتے ہیں اور پتا چلتا ہے کہ یہ کیا تھے جواب ابھر کر Surface پر یعنی سطح آب پر ابھر کر نکلے ہیں تو کیا شکل نکلی ہے۔ سطح آب کے نیچے ڈوبی ہوئی ہزار چیزیں ہیں۔ کہیں بھیانک مردہ جانور بھی ہیں۔ کہیں بڑی بڑی خوبصورت مچھلیاں بھی ہیں۔ باہر آئیں تو پتا چلے نا۔ تو ابتلاء یہ کام کیا کرتا ہے کہ اندرونی گندے وجود کا سر جب باہر نکلتا ہے تو نہایت بھیانک اور مکروہ شکل میں نکلتا ہے۔ اس وقت پتا چلتا ہے کہ ان کی خدا کی محبت کا قد بس اتنا سا ہی تھا اور اپنی محبتوں کے قد اس سے بہت اونچے تھے۔ پھر وہ خدا کی محبت کے بغیر وجود نکلتا ہے اور وہ مکروہ ہوتا ہے۔

لیکن اہل اللہ کو ابتلاء اور رنگ میں دکھاتے ہیں۔ ان کی نیکیاں مخفی ہوتی ہیں اور جب ابتلاء ان کو اچھالتے ہیں تو ان کی اپنی ساری محبتیں پیچھے رہ جاتی ہیں، ڈوبی ہوئی رہ جاتی ہیں، صرف خدا کی محبت کے ساتھ وہ چلتے ہیں اور خدا کی محبت کے ساتھ دنیا پر جلوہ گر ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کو خدا کبھی نہیں چھوڑتا۔ ہمیشہ ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ ان کے ساتھ رہتا ہے۔ اسی کا نام اللہ کی معیت ہے، معیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ چار قدم کی معیت اور پھر خدا پیچھے اور آپ آگے۔ یہ معیت کا مطلب ہے رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (التوبہ:۶۱) کہ وہ ایمان لانے والے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے وہ یہ ہوتے ہیں جو دین کو خدا کے لئے خالص کرتے ہیں اور ہر دوسرے کے مقابل پر خدا کی محبت کو غالب سمجھتے ہیں اس کے ہو کے رہ جاتے ہیں۔ پس اس مضمون کو سمجھ کر یہ دعا کرنی چاہئے کہ ہم احمدیوں کو کثرت کے ساتھ ایسے خدا والے عطا ہوں یا جماعت احمدیہ کو کہنا چاہئے کہ کثرت کے ساتھ

ایسے خدا والے عطا ہوں جو ہر امتحان کے بعد جب وہ ظاہر ہوا کریں تو خدا کی معیت کے ساتھ ظاہر ہوا کریں۔ خدا کے حسن اور خدا کے جلووں کے ساتھ ظاہر ہوا کریں اس وقت دنیا میں جو بے انتہاء مصائب آرہے ہیں اور آنے والے ہیں اور بہت ہی بڑے زلزلے رونما ہونے والے ہیں جن کے آثار ظاہر ہو چکے ہیں ان میں یہ اہل اللہ ہیں جو دنیا کو بچائیں گے۔ اس لئے آج ایک یا دو یا تین یا چار کی ضرورت نہیں ہے آج لاکھوں ایسے احمدیوں کی ضرورت ہے جو اہل اللہ بن چکے ہوں اور خدا کی معیّت ان کو نصیب ہو۔ پس اللہ کرے کہ لاکھوں نہیں، کڑوروں ایسے احمدی ہمیں عطا ہوں جو خدا والے بن کر دنیا کو خدا کے عذاب سے بچانے میں کامیاب ہوسکیں۔ (آمین)